تنظیمِ اسلامی کا پیغام

نظامِ خلافت کا قیام

مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب نمبر 2

درس - 11

اُمراء کا اپنے رفقاء کے ساتھ طرزِ عمل

اور

اُسوۂ رسول ﷺ

انجمن خُدّامُ القُرآن

سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

منتخب نصاب نمبر۲ .... درسِ یازدہم

اُمراء کا اپنے رفقاء کے ساتھ طرزِ عمل اور اُسوۂ رسول ﷺ

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ()﴾ (الحجر:۸۸)

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ () فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ () وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ()﴾ (الشُّعراء:۲۱۵تا۲۱۷)

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ()﴾ (الکهف:۲۸)

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ () وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ () وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ()﴾ (الانعام:۵۲ تا ۵۴)

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ ()﴾ (التوبہ:١٢٨)

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ()﴾ (آل عمران:١٥٩)

☆ تمہیدی نکات :

١- منتخب نصاب نمبر٢ کا درسِ یازدہم سورۂ حجر آیت ٨٨، سورۂ شعراء آیات ٢١٥ تا ٢١٧، سورۂ کہف آیت ٢٨، سورۂ انعام آیات ٥٢ تا ٥٤، سورۂ توبہ آیت ١٢٨ اور سورۂ آلِ عمران آیت ١٥٩ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

٢- منتخب نصاب نمبر٢ کے سابقہ دروس کی روشنی میں ہم سمجھ چکے ہیں کہ دینی فرائض کی ادائیگی ایک مضبوط نظم کی حامل دینی جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اِس دینی جماعت کے نظم کو صحیح روح اور جذبہ کے ساتھ مستحکم کرنے میں امراء کا اپنے مامورین کے ساتھ رویہ اور طرزِ عمل کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ اِس درس میں ہم امراء کا اپنے مامورین کے ساتھ طرزِ عمل اُسوۂ رسولِ اکرم ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے سمجھیں گے۔

٣- ان شاء اللہ اِس درس میں امراء کے مامورین کے ساتھ مسنون طرزِ عمل کو تین اوصاف کی صورت میں بیان کیا جائے گا۔ ہر وصف کی وضاحت کے لیے قرآنِ حکیم کے دو دو مقامات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ امراء کے تین مطلوبہ مسنون اوصاف حسبِ ذیل ہیں:

i- مامورین کے ساتھ نرمی، شفقت اور احترام کا برتاؤ

ii- کم حیثیت ساتھیوں کی دلجوئی

iii- ساتھیوں کے لیے رافت ورحمت اور خوئے دلنوازی

آیات پرغوروفکر

سورہ ٔحجر آیت ۸۸اور سورہ ٔشعراء آیات ۲۱۵ تا ۲۱۷

ماموورین کے ساتھ نرمی ،شفقت اور احترام کا برتاؤ

☆ سورہ ٔحجر آیت ۸۸ :

لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ ......آپ ؐ ہرگز نہ اُٹھائیں اپنی آنکھیں اُس (مال واسباب) کی طرف جس سے ہم نے فائدہ پہنچایا ہے اِن کے مختلف طبقات کو...... **وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ** ......اور نہ افسوس کریں اُن پر......**وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ**......اور جھکا دیں اپنا بازو مومنوں کے لیے﴿۸۸﴾

- اِس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو پہلی تلقین اِس بات کی گئی کہ آپ ﷺ اہمیت دینے کا معیار کسی کے ایمان اور تقویٰ کو بنائیں نہ کہ اُس کے مال و دولت اور جاہ وحشمت کو۔جن لوگوں کو ہم نے دنیوی نعمتیں اور مال واسباب دیے ہیں اُنہیں حق قبول کرنے کی دعوت دیں لیکن اگر وہ تکبر اور ضد کا مظاہرہ کریں تو اُنہیں زیادہ اہمیت نہ دیں۔وہ حق کے محتاج ہیں جبکہ حق اُن کا محتاج نہیں ہے۔اُن کے حق قبول نہ کرنے پر زیادہ غمگین ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔آپ ﷺ کے ذمہ دلسوزی اور پورے جوش وجذبہ سے حق کی دعوت دینا ہے کسی سے حق بات منوانا نہیں۔
- آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کو دوسری تلقین یہ کی گئی کہ اپنے شانوں کو جھکا کر رکھیے ایمان لانے والوں کے لیے۔جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں سمیٹ لیتی ہے اِسی طرح اے نبی ﷺ آپ بھی اپنے ساتھیوں کو اپنی محبت وعنایت کی آغوش میں لے لیں۔آیتِ مبارکہ کے اِس حصہ کی مزید وضاحت سورہ ٔشعراء کی آیات میں آگے آرہی ہے۔
- یہاں ساتھیوں کے ساتھ رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنے کے حوالے سے وہی الفاظ آئے ہیں جو سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۴ میں والدین کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں آئے

ہیں یعنی...... وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ ......اور جھکا دو اُن دونوں (والدین) کے لئے تواضع وانکسار کے شانے رحمت سے۔ گویا جو احترام والدین کو دیا جارہا ہے وہی ساتھیوں کو دیا جائے۔ اُن کے سامنے اپنے کندھے رحمت اور شفقت سے جھکا کر رکھے جائیں، تواضع اختیار کی جائے، تحکمانہ لہجہ اور انداز اختیار نہ کیا جائے۔

- اِس آیتِ مبارکہ میں ہمارے لیے رہنمائی یہ ہے کہ جو بھی کسی چھوٹی یا بڑی اجتماعیت پر امیر ہو، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس کا طرزِ عمل نرمی، شفقت اور احترام کا ہو۔ وہ سمجھے کہ یہ ساتھی اللہ تعالیٰ کا وہ عطیہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے میری نصرت واعانت کے لیے مجھے عطا کیا ہے۔ سورۂ انفال کی آیت ۶۲ میں ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ

''وہی ہے جس نے قوت دی آپؐ کو اپنی مدد اور مومنوں سے''۔

ہر مامور یہ محسوس کرے کہ امیر کے دل میں میری بڑی قدر ہے اور وہ میرے ساتھ بڑی محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اہمیت دنیوی مال واسباب کی نہیں کہ وہ اس کی بنیاد پر کسی کو عزیز رکھتے ہوں۔ وہ دین کی نصرت کے لیے ایثار وقربانی کو ترجیح دیتے ہیں اور اِسی بنیاد پر کسی سے محبت کرتے ہیں۔

☆ سورۂ شعراء آیات ۲۱۵ تا ۲۱۷:

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ......اور جھکا دیں اپنا بازو اُن کے لیے جو پیروی کریں آپؐ کی مومنوں میں سے ﴿۲۱۵﴾ فَاِنۡ عَصَوۡکَ ......پھر اگر وہ نافرمانی کریں آپؐ کی ...... فَقُلۡ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ......تو فرما دیجئے بے شک میں بری ہوں اُس سے جو تم کررہے ہو ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ......اور بھروسہ کیجیے اُس پر جو زبردست ہے ہمیشہ رحم کرنے والا ﴿۲۱۷﴾

- سورۂ حجر آیت ۸۸ میں نبی اکرم ﷺ کو تلقین کی گئی کہ آپ ﷺ مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکا دیں۔ اب سورۂ شعراء آیت ۲۱۵ میں وضاحت کی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کی

توجہ اور عنایت ایسے مومنوں کے لیے ہونی چاہیے جو آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ جو لوگ زبان سے ایمان لانے کے باوجود آپ ﷺ کی پیروی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ درحقیقت سچے مومن ہیں ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی روش ترک کرنے کی نصیحت کیجیے۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو پھر منافق قرار پائیں گے اور اُن کے ساتھ نرمی نہیں بلکہ سختی کرنی ہوگی۔ جیسا کہ سورۂ توبہ آیت ۷۳ اور سورۂ تحریم آیت ۹ میں ارشاد ہوا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾

''اے نبیؐ! جہاد کیجیے کافروں اور منافقوں سے اور سختی کیجیے اُن پر''۔

منافقین سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی منافقانہ روش سے اب مزید چشم پوشی نہ برتی جائے۔ اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرکے کھلم کھلا اُن کی مذمت کی جائے تاکہ معاشرے میں اُن کے لیے عزت واحترام باقی نہ رہے۔ مزید یہ کہ اُن کے ساتھ سخت رویہ رکھا جائے۔

- آیت ۲۱۵ میں کسی بھی اجتماعیت کے امیر کے لیے رہنمائی ہے کہ اُس کا زیادہ التفات اپنے ایسے ساتھیوں کے ساتھ ہو جو سمع وطاعت کے نظم کے پابند ہیں۔ غیر فعال ساتھیوں کے مقابلہ میں وہ فعال ساتھیوں کو ترجیح دے۔ البتہ غیر فعال ساتھیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہوئے اُنہیں مسلسل فعال ہونے کی ترغیب دی جاتی رہے۔
- آیت ۲۱۶ میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا نافرمانی کرنے والے ساتھیوں سے کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نافرمانی کرنے والے طرزِ عمل سے بری الذمہ ہوں اور اگر تم اصلاح کی طرف نہیں آتے تو میں روزِ قیامت تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ ہر امیر کو نافرمانی کرنے والوں کی ایک حد تک اصلاح کی کوشش ضرور کرنی چاہیے لیکن جب واضح ہو جائے کہ وہ اصلاح قبول کرنے کے لیے بالکل بھی آمادہ نہیں ہیں تو صاف صاف اُن کے طرزِ عمل سے اعلانِ براءت کر دینا چاہیے۔ ممکن ہے شاید یہ سخت اعلان ہی اُنہیں اصلاح کی طرف سوچنے کے لیے مجبور کر دے۔

- آیت ۲۱۷ میں ہدایت دی گئی کہ اے نبی ﷺ بھروسہ کیجئے اُس ذات پر جو زبردست ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمیشہ رحم کرنے والی بھی ہے۔ مامورین اگر نافرمانی کرتے ہیں تو اُن کے اِس طرزِ عمل سے اظہارِ براءت تو کیا جائے لیکن زیادہ تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت میں معاملہ کل کا کل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ بھروسہ اپنے ساتھیوں کی تعداد پر نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھنا چاہیے۔ اگر امیدیں انسانوں سے وابستہ کیں تو مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مامورین کا خلافِ توقع طرزِ عمل امیر کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے گا اور قوتِ عمل کو کمزور کردے گا۔ اگر بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے تو کسی مامور کے غلط طرزِ عمل سے وقتی طور پر تو صدمہ ہوگا لیکن اِس سے کوئی مستقل منفی اثرات پیدا نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ زبردست بھی ہے اور رحم فرمانے والا بھی۔ اُس کا زبردست ہونا اِس بات کی ضمانت ہے کہ جس کے ساتھ اُس کی مدد ہو اُسے کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا۔ وہ ایسے اسباب سے دین کے کام کی نصرت فرمادے گا جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ مدد بلاشبہ اُس کی شانِ رحمت کا مظہر ہوگی۔
- آیت ۲۱۷ میں بیان شدہ ہدایت کی افادیت اُس صورت میں زیادہ محسوس ہوتی ہے جب کسی ساتھی میں نافرمانی کا طرزِ عمل بغاوت کے اُس درجے کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ دھونس کا انداز اختیار کرلیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ ایسے ساتھی کو امیر آگاہ کردے میرا بھروسہ تم پر نہیں اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اگر میں واقعی خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کررہا ہوں تو وہ ضرور میری مدد فرمائے گا۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو وہ میری اصلاح فرمادے گا۔

سورۂ کہف آیت ۲۸ اور سورۂ انعام آیات ۵۲ تا ۵۴
کم حیثیت ساتھیوں کی دلجوئی

- امراء کے لئے دوسرا مطلوبہ وصف خاص طور پر ایسے ساتھیوں کی دلجوئی ہے جو مال و

اسباب کے اعتبار سے کم حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی بھی اجتماعیت میں ایک مسئلہ بڑی نزاکت کا حامل ہوتا ہے جس میں عدم توازن سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ یہ پیچیدگی پیدا ہوتی ہے دو متضاد تحریکی تقاضوں کی وجہ سے۔

- پہلا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی انقلابی دعوت کا اوّلین رُخ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات کی طرف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

i- انقلابی دعوت کا مشن نظام کی تبدیلی ہوتا ہے لہٰذا اِسے اپنا اوّلین مخاطب ایسے لوگوں کو بنانا ہوتا ہے جن کے ہاتھ میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔

ii- عوام کی اکثریت اونچے طبقات کے تابع ہوتی ہے۔ عوام میں دعوتِ حق کے حوالے سے شرح صدر اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب سوسائٹی کے یہ طبقات بھی دعوت کو قبول کرلیں۔ اگر یہ لوگ مان جائیں تو عوام بھی دعوت کو قبول کرلیتے ہیں۔

iii- اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے۔ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات وسائل رکھتے ہیں اور دعوت قبول کرلینے سے اُن کے وسائل حق کی حمایت میں استعمال ہوتے ہیں۔

iv- اعلیٰ طبقات میں سے حق کو قبول کرنے والے کم ہوتے ہیں لیکن جو قبول کرتے ہیں اُن میں سے ایک ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعید بن زیدؓ کا وہ مقام ہے کہ یہ تمام حضرات عشرۂ مبشرہ میں شامل ہیں۔

v- **خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا** (اُن میں سے جو جاہلیت میں آگے تھے وہ اِسلام میں بھی آگے ہوں گے جب کہ وہ دین کی تعلیمات سمجھ لیں۔ (بخاری، مسلم)) کے مصداق اِس طبقہ میں ایک خود اعتمادی اور قائدانہ صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ لوگ ڈٹ کر اُس نظریہ کی تبلیغ کرتے ہیں جسے قبول کرلیں۔ ایک دفعہ جو بات تسلیم کرلیں اس پر کٹ مرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ ایسے باہمت اور

باعزیمت لوگ آگے آتے ہیں تو تحریک کا کام تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔حضرت عمرؓ کے قبولِ اِسلام سے مکہ میں کھل کر اِسلام کی دعوت دینے کا کام آسان ہوگیا۔

vi- انقلاب کے بعد متبادل نظام کو چلانے کی صلاحیت سے یہی لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اِسی طبقہ میں سے تھے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے بعد نظامِ خلافت کو بڑی عمدگی سے مستحکم کیا اور اِس کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کیا۔

vii- اگر یہ طبقات دعوتِ حق کو قبول کرنے کے بجائے ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو عوام کے سامنے اُن کی اخلاقی حیثیت گر جاتی ہے اور نظامِ باطل کو تلپٹ کرنے کے لیے یہ بات مفید بن جاتی ہے۔

- مذکورہ بالا وجوہات اِس نوعیت کی ہیں کہ جنہیں نظر انداز کرنا گویا انقلابی مشن کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت پر فائز فرمانے کے بعد پہلا حکم دیا کہ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ...... ''جاؤ فرعون کے پاس بے شک وہ حد سے بڑھ گیا ہے'' (نازعات :17)۔ نبی اکرم ﷺ جب مکہ کے حالات سے مایوس ہوکر طائف تشریف لے گئے تو وہاں آپ ﷺ نے پہلے طائف کے تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کی اور اِسلام کی دعوت اُن کے سامنے رکھی۔اُن کے انکار کے بعد آپ ﷺ نے عام لوگوں کو دعوت دی۔مکہ میں آپ ﷺ نے خاص طور پر دعا کی کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطابؓ میں سے ایک کو تو ضرور میری جھولی میں ڈال دے۔دیگر سردارانِ قریش کو دعوت دینے کے حوالہ سے بھی آپ ﷺ بڑی اہمیت دیتے تھے اور اِسی پس منظر سے سورۂ کہف کی آیت ۲۸ بحث کر رہی ہیں۔
- انقلابی دعوت کا ایک دوسرا تقاضا ہے کہ جو لوگ دعوت قبول کرلیں اُن کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔کوئی دعوتِ حق دنیا میں نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ساتھ ایک تدریجی اور مستقل پروگرام تربیت کا نہ ہو۔تربیت ہی سے دعوت دلوں میں جڑ پکڑتی ہے،

نشو و نما پاتی ہے اور پھر برگ و بار لاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اپنے فوائد و برکات سے معاشرے کو مالا مال کر دیتی ہے۔ ساتھیوں کی تربیت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُن کو زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے اور اُن کی اصلاح پر توجہ کو مرتکز کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ انقلابی دعوت اوّلاً اعلیٰ طبقات کو اپنا ہدف بناتی ہے لیکن اِن میں سے کم ہی دعوت قبول کرتے ہیں اور دعوت کی طرف سب سے پہلے عوام ہی پیش قدمی کرتے ہیں۔ یہ زیادہ تر غرباء اور فقراء اور مساکین ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے پاؤں کی بیڑیاں اتنی بھاری نہیں ہوتیں جتنی سرمایہ داروں اور سرداروں کے پاؤں میں ہوتی ہیں۔ دعوت قبول کرنے سے سرداروں کی حیثیت اور وجاہت متاثر ہوتی ہے۔ اب جو فقراء و غرباء دعوت قبول کرتے ہیں تو اُن میں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ امیر کی عنایت مجھ پر ہو اور ہم اُس کی توجہ کا مرکز بنیں۔

- مذکورہ بالا دو تقاضے امیر کی توجہات کے ارتکاز کے اعتبار سے متضاد صورت اختیار کر کے پیچیدگی پیدا کرتے ہیں۔ دعوت کی توسیع اور دوام کے اعتبار سے اعلیٰ طبقات پر توجہ دینا ضروری ہوتا ہے لیکن دعوت کے استحکام کے لیے قریب آنے والے ساتھیوں کی تربیت پر توجہ کا ارتکاز ناگزیر ہوتا ہے۔ اب اِس حوالے عدم توازن سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اعلیٰ طبقات کو نظر انداز کیا تو یہ تحریک کے لیے نقصان دہ ہے لیکن اگر اُن کی طرف توجہ زیادہ ہوگئی تو فقراء اور مساکین کو صدمہ پہنچے گا۔ اُنہیں گمان ہوگا کہ اصل اہمیت دولت و وجاہت کی ہے اور اُنہیں اپنی فقیری و مسکینی پر حسرت ہوگی۔ سور کہف اور سورۂ انعام کی شاملِ درس آیات میں متوجہ کیا گیا کہ اے نبی ﷺ بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے آپ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان لے آئیں، لیکن ایسا نہ ہو کہ اُن کی طرف آپ ﷺ کی زیادہ توجہ ایسے فقراء کی حق تلفی کا باعث بنے جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور اپنی تربیت کے لئے آپ ﷺ کی توجہات کے مستحق ہیں۔

☆سورۂ کہف آیت ۲۸:

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ ......اور روکے رکھیے اپنے آپ کو اُن کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام...... **یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ** ...... طلب گار رہیں اُس کی رضا کے...... **وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡھُمۡ** ......اور نہ ہٹیں آپؐ کی نگاہیں اُن سے...... **تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا**......کیا آپؐ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت؟...... **وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا**......اور نہ مانیے بات اُس کی، غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے...... **وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ** ......اور وہ پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی...... **وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا**......اور اُس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے ﴿۲۸﴾

- اِس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصہ میں سردارانِ قریش کے ایک مطالبہ کا رد ہے۔ سردارانِ قریش اِس بات پر معترض تھے کہ آپ ﷺ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقہ سے ہیں، اُن کی موجودگی میں ہم آپ ﷺ کی محفل میں کیسے آسکتے ہیں؟ آپ ﷺ اُنہیں اپنے پاس سے ہٹائیے۔ اِس آیت میں ارشاد ہوا کہ بعض دینی مصلحتوں کی بنیاد پر آپ ﷺ کی یہ خواہش بجا ہے کہ سردارانِ قریش کو دعوت کے حوالے سے اہمیت دی جائے لیکن اے نبی ﷺ اِس خواہش کو ایک حد میں رکھنے کے لیے صبر کیجئے۔ صبر کا مطلب یہ ہے سرداران کے مطالبہ کے برعکس آپ اِن فقراء اور ضعفاء کو اپنی صحبت کا زیادہ فیض عطا فرمائیں جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت ہیں لیکن دل کی گہرائیوں سے دعوتِ حق قبول کر چکے ہیں۔ اگرچہ دنیوی مال واسباب اِن کے پاس نہیں ہے، لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، صرف اُسی کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور صرف اُسی کی عنایات کے طالب ہیں۔ آپ ﷺ اِن کی تربیت اور تزکیہ کیجئے اور اُن کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچانے کے لئے مسلسل کوشاں رہیے۔ اُن سے اپنی توجہ کو نہ ہٹائیے۔

- آگے فرمایا آپ ﷺ کی نگاہیں اِن فقراء سے نہ ہٹیں، کیا آپؐ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت؟ یعنی اگر آپ ﷺ کی توجہ کا رُخ اِن فقراء کے مقابلہ میں سردارانِ قریش کی طرف زیادہ ہوگیا تو لوگ آپ ﷺ کے اِس ظاہری طرزِ عمل سے سمجھنے لگیں گے کہ شاید آپ ﷺ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو آپؐ کی نیک نیتی کو خوب جانتا ہے لیکن اکثر لوگ تو ظاہر کو دیکھ کر ہی رائے قائم کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے مخالفین تو اِس مغالطے میں مبتلا ہوجائیں گے کہ اِن کی اقدار اور ترجیحات بھی وہی ہیں جو ہماری ہیں۔ اِن کی نگاہ میں بھی اُسی مال واسباب کی قدر و قیمت ہے جس پر ہم فدا ہیں۔ گویا فقراء سے توجہ نہ ہٹانے کی ہدایت درحقیقت غلط اندیشوں اور مغالطّوں کا سدباب ہے۔
- مزید ہدایت دی گئی کہ اُس کی بات نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے غافل کردیا ہے اپنی یاد سے۔ دراصل یہاں سردارانِ قریش کی ایک پیشکش کو رد کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ وہ پیشکش یہ تھی کہ آپ ہمارے ساتھ کشمکش ختم کرکے مصالحت (deal) کرلیں۔ ایک معین عرصہ تک آپ ہمارے ساتھ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو پھر اتنے ہی عرصہ ہم آپ کے ساتھ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔ کسی داعیٔ حق کے لئے مصالحت کی پیشکش کا یہ جال انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں براہِ راست مقابلہ یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی داعی اِس جال میں پھنس جائے تو اُس کی منزل کھوٹی ہوجاتی ہے۔ مکہ میں جو حالات تھے اُن کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ کے لئے مصالحت کی پیشکش سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ مکہ میں پورے دس سال آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے طنز کے تیر اور تشدد کے وار برداشت کیے تھے۔ پھر آپ ﷺ بڑی امیدوں کے ساتھ طائف گئے کہ شاید کام کا کوئی راستہ کھلے لیکن وہاں تو آپ ﷺ کے لئے آزمائش کا معاملہ نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ وہاں کے تین بڑے سرداروں سے انتہائی دل توڑ دینے والا جواب ملا۔ عام لوگوں کا طرزِ عمل اِس قدر جارحانہ تھا کہ اُنہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، فقرے چست کیے بلکہ پتھر برسا کر جسمِ

اطہر لہولہان کر دیا۔ جب آپ ﷺ طائف سے واپس مکہ پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکہ میں داخلہ ناممکن تھا۔ کفار آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو مکہ کے ایک سردار مطعم بن عدی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونا پڑا۔ یہ ہیں وہ حالات کہ جن کی وجہ سے اِس کا امکان تھا کہ آپ ﷺ سردارانِ قریش کی مصالحت کی پیشکش کو قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اِن کی پیشکش ہرگز نہ قبول کیجیے۔ یہ لوگ حق کو پہچاننے کے بعد اُس سے اعراض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کے دلوں کو غافل کر دیا ہے یعنی اِنہیں محروم کر دیا ہے ایمان لانے سے۔ اِنہیں آپ ﷺ کی رفاقت واعانت کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ یہ سزا اِنہیں اِس لیے دی گئی ہے کہ وہ حق کے بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں اور اِن کے معاملات حدود سے تجاوز کیے ہیں۔ وہ بھٹکے ہوئے ہیں اور اُن کی بات ماننے والا بھی بھٹک جائے گا۔

- یہاں ہر داعیٔ حق کے لیے رہنمائی ہے کہ وہ کسی بھی مصالحت کے جال میں گرفتار ہونے سے ہوشیار رہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اِس شعر میں بڑی حکیمانہ بات بیان کی گئی ہے۔ باطل کا وجود اپنے بل پر قائم رہ ہی نہیں سکتا لہٰذا وہ مجبور ہوتا ہے کہ وہ خود کو قائم رکھنے کے لئے حق کا کوئی سہارا لے۔ اِس کے برعکس حق بذاتِ خود کھڑا ہوتا ہے اور اُسے باطل سے کسی سمجھوتہ کی ضرورت نہیں۔

سورۂ انعام آیات ۵۲ تا ۵۴

☆ سورۂ انعام آیت ۵۲:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ......اے نبیؐ! دور نہ کیجئے اُنہیں جو

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام...... یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ ...... وہ چاہتے ہیں اُس کی رضا ...... مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ...... نہیں آپؐ کے ذمہ اُن کے حساب سے کچھ بھی...... وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ...... اور نہ آپؐ کے حساب سے اُن کے ذمہ ہے کچھ بھی...... فَتَطْرُدَھُمْ...... پھر بھی اگر آپؐ نے دور کیا اُنہیں...... فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ......تو آپؐ ہو جائیں گے انصاف نہ کرنے والوں میں سے ﴿۵۲﴾

- اِس آیتِ مبارکہ میں سردارانِ قریش کے اِس مطالبہ کا رد زیادہ شدت سے ہے کہ پہلے حضرت محمد ﷺ اپنی مجلس سے فقراء، مساکین اور غلاموں کو الگ کریں تب ہم اُن کی بات سننے کے لیے آئیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ اُن کی چال ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، دور کردینے کی وجہ سے اُن میں بددلی پیدا ہو اور وہ آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور آپ ﷺ تنہا رہ جائیں۔ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اِن متکبرین کے مطالبہ پر ہرگز اُن مومنوں کو اپنی قربت سے محروم نہ کریں جو صبح وشام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ہر وقت اُسی کی رضا کے طلب گار رہیں۔
- متکبر سردارانِ قریش کو اپنی دولت اور سیادت پر ناز تھا اور وہ فقراء، غرباء اور غلاموں کو اپنے خدمت گار اور گھٹیا کام کرنے والے قرار دے کر حقارت آمیز رویہ اختیار کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہمیت کسی کے کردار کی ہے نہ کہ اُس کے پیشے کی۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ ایمان لانے والے درویشوں کا کیا پیشہ اور معاشی حیثیت ہے، اِس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں۔ اِسی طرح آپ کے معاشی معاملات سے اُنہیں کوئی سروکار نہیں۔ اسی طرح آخرت میں بھی ہر ایک نے اپنا حساب خود ہی دینا ہے۔ جب نہ اُنہوں نے نہ آپ سے کچھ لینا ہے اور نہ دینا ہے تو ایسی صورت میں آپ ﷺ کا اُنہیں اپنی صحبت کی فیضیابی سے محروم کرنا ناانصافی قرار پائے گا۔
- اِسی پس منظر میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو

متوجہ کیا گیا۔ ایک نابینا صحابی عبد اللہ بن اُمّ مکتومؓ ایک بار ایسے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ بار بار آپ ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے جس پر آپ ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ اِس پر سورۂ عبس کے آغاز میں یوں متوجہ کیا گیا :

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ﴿﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ﴿﴾ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ﴿﴾ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ﴿﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ﴿﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ﴿﴾ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ﴿﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ﴿﴾ وَهُوَ یَخْشٰی ﴿﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴿﴾ کَلَّآ اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ ﴿﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ ﴿﴾ (آیت ۱۔۱۲)

''اُنہوں نے تیوری چڑھائی اور رُخ پھیرلیا، اِس لیے کہ آیا اُن کے پاس ایک نابینا۔ اور اے نبیؐ! آپؐ کیا جانیں شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو فائدہ دیتی اُسے نصیحت۔ وہ جو بے پروائی کرتا ہے تو آپؐ اُس کے پیچھے پڑتے ہیں۔ حالانکہ نہیں ہے آپؐ پر کوئی ذمہ داری اگر وہ پاکیزگی اختیار نہیں کرتا۔ اور وہ جو آپؐ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا اور وہ ڈر رہا ہے تو آپؐ اُس سے غفلت برتتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے۔ تو جو چاہے نصیحت حاصل کرلے اِس سے۔''

گویا دشمنانِ حق کو تبلیغ تو کی جائے لیکن اُنہیں اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ حق قبول کرنے والوں سے غفلت اور اُن کی حق تلفی ہو جائے۔

☆ سورۂ انعام آیت ۵۳:

وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ......اور اسی طرح ہم نے آزمائش کی اُن میں سے بعض کی بعض کے ساتھ......لِّیَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْ بَیْنِنَا......تاکہ (مالدار) کہیں کہ کیا یہ ہیں وہ (فقراء) احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہمارے درمیان میں سے......اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ......کیا نہیں ہے اللہ زیادہ جاننے والا شکر کرنے والوں کو؟ ﴿۵۳﴾

- سردارانِ قریش کو حیرت تھی کہ اگر ایمان واقعی ایک نعمت ہے تو یہ فقراء و غرباء کو کیوں مل

گئی؟ یہ اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو پہلے ہم اِسے قبول کرتے۔ یہ غریب غرباءٗ غلامٗ بے حیثیت لوگ، کیا یہ ہیں جن پر اللہ کا کرم ہوا ہے؟ اگر یہ ایسے ہی اللہ کے لاڈلے اور پیارے تھے تو کیوں اللہ نے اِنہیں مفلسی میں ڈالا ہوا ہے؟ اُن کے خیال میں جس پر اللہ مہربان ہوتا ہے اُسے اچھی حیثیت دیتا ہے اور جس سے ناراض ہوتا ہے اُسے غربت و افلاس سے دوچار کردیتا ہے۔ اِس آیتِ مبارکہ میں آگاہ کیا گیا کہ دنیا میں مالی حیثیت اللہ تعالیٰ کی رضا یا ناراض ہونے کی علامت نہیں۔ یہ تو محض امتحان کی صورت ہے۔ کسی کو دے کر آزمایا جاتا اور کسی کو مشکل حالات میں ڈال کر۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والوں کو فقراء کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ فقراء اُن کے لیے حق کے پہچاننے میں ایک اوٹ بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہمیت دولت و ثروت کی نہیں پاکیزہ سیرت و کردار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کردار رکھنے والے شکر گزاروں کو خوب جانتا ہے اور اُن ہی کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔

- یہ معاملہ ہر رسولؑ کے دور میں پیش آیا کہ اُن رسولؑ پر ایمان لانے میں سبقت فقراء نے کی اور سردارانِ قوم نے اِن فقراء کا مذاق اڑایا۔ اِنہی فقراء کے بارے میں حضرت نوحؑ سے اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا **ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ** کہ اے نوحؑ! تم پر ایمان لانے والے سرسری نگاہ میں ہمارے معاشرے کے گھٹیا لوگ ہیں (ھود: 27)۔

☆ سورۂ انعام آیت ۵۴:

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا ......اور اے نبیؐ! جب آئیں آپؐ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیات پر...... **فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ** ......تو فرمایئے سلامتی ہو تم پر...... **کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ**......لازم کرلی ہے تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت...... **اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ** ......بے شک وہ جس نے کی تم میں سے برائی نادانی سے...... **ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ** ......پھر اُس نے توبہ کرلی اِس کے بعد اور اصلاح کرلی...... **فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**......تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم

فرمانے والا ہے ﴿۵۴﴾

- مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے زمانۂ جاہلیت میں کئی بڑے گناہ سرزد ہو چکے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کی زندگیاں بالکل بدل گئی تھیں، لیکن مخالفینِ اسلام اُن کو سابقہ گناہوں پر طعنے دیتے تھے۔ اِس پس منظر میں نبی اکرم ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو تسلی دیں۔ اُنہیں بتائیں کہ اُن کا رب بڑا غفور اور رحیم ہے۔ اُس کی رحمت بڑی وسیع ہے اور تم پر اُس کی طرف سے سلامتی اور عنایات ہیں۔ جو شخص سچی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام سابقہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وہ یقیناً تمہاری اسلام لانے سے پہلے کی برائیوں کو معاف فرما دے گا۔
- انذار اور تبشیر دراصل دعوت کے دو پہلو ہیں اور یہ دونوں ہی بیان ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم ﷺ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی۔ البتہ بشارت کے مستحق کون ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ ایمان لانے والے ساتھی ہی ہوں گے۔ اُن کے لیے بشارت اور رحمت کا مظہر یہ ہے کہ جو بھی اُن سے خطائیں جہالت میں ہوئیں، اگر وہ سچی توبہ کر لیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی بخشش فرما دے گا۔
- جہالت کا لفظ اردو میں نہ جاننے اور ناواقف ہونے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اگرچہ اِس کا یہ مفہوم بھی ہے لیکن اِس کا اصل مفہوم ہے جذباتی ہونا۔ گویا اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا عدمِ واقفیت کی بنا پر ایمان لانے والوں سے کوئی غلط حرکت سرزد ہو گئی اور اُنہوں نے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو اُنہیں بخش دیا جائے گا۔
- اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں امراء کی طرف سے اپنے ساتھیوں کی اِسی طرح حوصلہ افزائی ہوتی رہنی چاہیے۔ اچھے کاموں پر اُن کی تحسین کی جائے اور غلطی پر اُنہیں اصلاح کی طرف متوجہ کر کے بخشش کی امید دلائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری، رحمت اور قدردانی کو بار بار اُن کے سامنے لا کر اُنہیں زیادہ سے زیادہ محنت کی طرف متوجہ کیا جائے۔

سورۂ توبہ آیت ۱۲۸ اور سورۂ آلِ عمران آیت ۱۵۹
ساتھیوں کے لیے رافت و رحمت اور خوئے دلنوازی

☆ سورۂ توبہ آیت ۱۲۸:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ...... آ چکے ہیں تمہارے پاس رسول تمہی میں سے...... **عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ**...... گراں گزرتا ہے اُن پر تمہارا مشقت میں پڑنا...... **حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ**...... بے چینی سے خواہش مند ہیں تمہاری بھلائی کے...... **بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ**...... مومنوں کے ساتھ بہت شفقت اور رحم فرمانے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾

- سورۂ توبہ کی اِس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی تمام انسانوں اور بالخصوص مومنوں کے ساتھ والہانہ محبت و شفقت کے معاملے کو بڑے پیارے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایمان افروز اور خوش کن بشارت دی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نوعِ انسانی ہی میں سے ہیں اور آپ ﷺ کا مبارک وجود نوعِ انسانی کے لیے باعثِ فخر و سرور ہے۔ ارشاد ہوا آ گئے ہیں تمہارے پاس ایک رسول تم ہی میں سے''۔ سب سے بڑھ کر یہ اعزاز بنو ہاشم کے لیے ہے کہ آپ ﷺ اِس خاندان میں سے ہیں۔ دوسرے درجے میں یہ اعزاز قریش کے لیے ہے کیونکہ بنو ہاشم اِسی قبیلہ کا ایک خاندان ہے۔ تیسرے درجے میں یہ اعزاز اہلِ عرب کے لیے ہے۔ پھر چوتھے درجے میں پوری بنی نوع انسانی کے لیے سعادت ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق اِس نوع سے ہے۔ اِس سعادت کا ذکر سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں اِن الفاظ میں کیا گیا کہ **لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ**...... ''یقیناً احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر جب بھیجے اُن میں ایک رسول اُنہی میں سے''۔
- مزید ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ پر بہت گراں گزرتی ہے وہ بات جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تو نوعِ انسانی کے لیے ہر بھلائی کے شدت سے خواہشمند ہیں۔ اُس کے

لیے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہتر نعمتیں چاہتے ہیں۔ بظاہر تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ تم پر شریعت کی پابندیاں عائد کر کے تمہیں مشکل میں ڈال رہے ہیں، لیکن درحقیقت وقتی مشکلات ہمیشہ ہمیش کی نعمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جیسے کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے ''جنت کو مشکلات سے گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشاتِ نفسانی سے'' (بخاری، مسلم)۔ دنیا کی محدود زندگی میں مشقتیں ہیں لیکن یہی مشقتیں اُٹھانے والے آخرت میں جنت کی ابدی راحتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

- نبی اکرم ﷺ کی رسالت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے لہٰذا آپ ﷺ کی خیر خواہی کی کیفیت بھی تمام انسانوں کے لیے ہے۔ آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہر فردِ نوعِ بشر سختی سے بچے، اُس کے لئے خیر و فلاح ہو اور وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کرے۔ البتہ آپ ﷺ کی خاص شفقت و عنایت اُن سعادت مندوں کے لیے ہے جو آپ ﷺ پر دل و جان سے ایمان لے آئیں۔ شریعت کی پابندیاں اختیار کر کے اپنے مومن ہونے کا عملی ثبوت دینے والے ہیں۔ اِسی لیے آیتِ مبارکہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ''مومنین کے حق میں انتہائی رؤف اور رحیم ہیں''۔ رؤف یعنی مومنوں کے دکھ درد کو محسوس کر کے تڑپ اٹھنے والے ہیں اور رحیم یعنی اُن کے دکھ درد کو دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بار بار اُن کے لیے رحمت و بخشش کی دعائیں کرنے والے ہیں۔
- اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ہر امیر کو اپنے مامورین کے لیے اِسی طرح خیر خواہ، شفیق اور دکھ درد میں کام ہونے والا ہونا چاہیے۔ اگر امیر اپنے ساتھیوں کے لیے ہر خیر کے حصول کے لیے کوشش کرنے والا اور ہر تکلیف میں اُن کی مدد کرنے والا ہو تو پھر یہ امیر ساتھیوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ وہ اُس کے ایسے دست و بازو بنتے ہیں کہ اُس کے کہنے پر اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

☆سورۃ آلِ عمران آیت ۱۵۹:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ......پس اے نبیؐ! اُس رحمت کی وجہ سے جو اللہ کی طرف سے ہے آپؐ نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اُن کے لیے......**وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ**......اور اگر (بالفرض) آپؐ ہوتے سخت مزاج اور سنگدل ....یقیناً وہ منتشر ہو جاتے آپؐ کے گرد سے......**فَاعْفُ عَنْهُمْ**......تو آپؐ درگزر کیجئے اُن سے......**وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ**......اور بخشش طلب کیجئے اُن کے لیے......**وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**......اور مشورہ کیجئے اُن سے معاملات میں......**فَإِذَا عَزَمْتَ**......پھر جب آپؐ پختہ فیصلہ کرلیں......**فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ**......تو توکل کیجئے اللہ پر......**إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ**......بے شک اللہ پسند فرماتا ہے توکل کرنے والوں کو﴿۱۵۹﴾

- اِس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے مزاج کی نرمی کی تحسین فرمائی گئی اور اِسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر قرار دیا گیا۔ بلا شبہ آپ ﷺ ساتھیوں کے لئے انتہائی شفیق اور رحیم تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور آپ ﷺ مزاج کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو ساتھی آپ ﷺ کے پاس سے بکھر جاتے۔ بقول اقبال ؎

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ میرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

- اللہ تعالیٰ ہر میرِ کارواں کو اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی میں اپنا مزاج نرم اور مامورین کے لیے شفقت و محبت والا بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! سختی اور افسرانہ انداز سے ایک ایسی اجتماعیت میں کام کرنے کی خوشگوار فضا پیدا نہیں ہوسکتی جہاں مامورین کسی دنیوی مفاد کے لیے نہیں بلکہ رضا کارانہ طور پر ایک مشن کے لیے مال و جان لگانے کے لیے منظّم ہوئے ہیں۔ یہاں تو نرمی و شفقت ہی ساتھیوں میں نظم کی پابندی، زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کی لگن اور قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا کرسکتی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

- آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی نرم مزاجی کی تحسین کے بعد آپ ﷺ کو چند ہدایات دی گئیں ہیں، جو ہر میرِ کارواں کے لیے مشعلِ راہ ہیں:

i - ساتھیوں کو اُن کی غلطیوں پر معاف کر دیجئے۔ یہ حکم معرکہ ٔ احد کے پس منظر میں دیا گیا تھا۔ اِس معرکہ میں ساتھیوں سے بہت بڑی غلطی ہوئی اور فتح شکست میں بدل گئی لیکن پھر بھی اُنہیں معاف کرنے کی ہدایت دی گئی۔

ii - ساتھیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیجئے۔

iii - معاملات میں ساتھیوں سے مشاورت کیجئے۔

iv - فیصلہ کثرتِ رائے سے نہیں بلکہ اپنی بصیرت سے کیجئے۔

v - فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔ ایسا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔

- ساتھیوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا دراصل جماعت میں جوش وجذبہ سے کام کو آگے بڑھانے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ساتھیوں کی غلطیوں کو فراموش نہ کرنا اور بار باراُن کا ذکر کر کے ساتھیوں کو شرمندہ کرنا جماعت کے اندر ایک کھینچ تان کا ماحول پیدا کر دیتا ہے۔ ساتھی جماعت سے علیحدہ ہو جاتا ہے، یا غیر فعال ہو جاتا ہے اور یا اُس میں ضد ہٹ دھرمی اور اپنی غلطی پر اصرار جیسی برائیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ وہ ڈھیٹ بن کر شرم وحیا کے پردے چاک کر دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے **وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ** ...... ''اُنہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تمہیں'' (سورہ نور آیت ۲۲)۔ ہم سب خطا کار ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرما دے۔ تو پھر ہمیں بھی ساتھیوں کو معاف کر دینا چاہیے۔ مزید یہ کہ معاف کر دینا انسان کا شعوری فیصلہ ہونا چاہیے اور اپنے دل پر جو میل آیا ہو اُسے دھو لینا چاہیے۔ ورنہ اِس کھردری سطح پر میل جمع ہوتا رہے گا جو کسی وقت بڑے

جماعتی انتشار کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

- ساتھیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا یعنی اُن کے لیے بخشش کی دعا کرنا اُسی وقت ممکن ہوگا جب اُن کی طرف سے دل صاف ہو چکا ہو۔ جب کسی کے لیے دل میں اخلاص ہوگا تو اب اُس کے لیے دعا بھی دل سے ہوگی۔ دل صاف نہیں ہے تو دعا محض ایک رسم پوری کرنے کے لیے کی جارہی ہوگی۔ چند رٹے ہوئے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں گے جس سے استغفار کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اِس کے برعکس اگر صاف دل سے دعا کی جائے گی تو اُس سے دعا میں نہ صرف رقت پیدا ہوگی بلکہ ساتھی کے حوالے سے دل مزید صاف ہوگا۔ اب جماعت میں باہمی محبت کی فضا مزید تقویت پائے گی۔
- نبی اکرم ﷺ علم، معاملہ فہمی، بصیرت اور قوتِ فیصلہ کے اعتبار سے بے مثال مرتبہ کے حامل تھے لیکن اُنہیں بھی معاملات میں مشاورت کا حکم دیا گیا۔ لہٰذا ہر امیر کو مشاورت کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ پھر معاملات میں ساتھی سے مشورہ کرنا اِس بات کا ثبوت ہوگا کہ امیر نے غلطی کرنے والے ساتھی کو دل سے معاف کر دیا ہے اور اُسے اپنے اِس ساتھی پر پورا اعتماد حاصل ہے۔ جہاں معاملات باہمی مشاورت سے طے کیے جاتے ہیں وہاں ساتھیوں میں ایک احساسِ شراکت پیدا ہوتا ہے۔ اُن کے دل میں امیر کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ امیر ہم پر اعتماد کرتا ہے اور ہمارے رائے حاصل کرنے کو اہمیت دیتا ہے۔ اب مشاورت کے ذریعہ ہونے والے فیصلہ کو وہ اپنا فیصلہ سمجھ کر کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ گویا مشاورت سے معاملات طے کرنا نہ صرف جماعت میں باہمی اعتماد و یگانگت کی فضا پیدا کرتا ہے بلکہ تحریکی کام کو تیز تر کرنے کے لیے بھی مؤثر ثابت ہوتا ہے۔
- ''عَـزَمْـتَ'' یعنی آپ ﷺ فیصلہ کرلیں کے الفاظ میں فیصلہ کرنے کے بارے میں رہنمائی دی گئی کہ اِس کے حوالے سے اختیار امیر کا ہے۔ وہ ساتھیوں سے مشاورت کے بعد آراء کو تولے گا، گنے گا نہیں۔ وہ تجربہ کار، صاحبِ علم اور صائب الرائے ساتھیوں کی

آراء کو زیادہ اہمیت و وزن دے گا۔ گویا یہ مروجہ مغربی جمہوری تصور کی نفی ہے جس میں فیصلہ کرتے ہوئے ہوئے بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا اور اکثریت کی رائے فیصلہ کن ہو جاتی ہے۔

- آیتِ مبارکہ کے آخر میں تلقین کی گئی کہ جب فیصلہ کرلیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے۔ یہ نہ سوچا جائے کہ کس کی رائے مخالف تھی اور کس کی رائے حق میں تھی۔ اگر کسی کی رائے کے خلاف فیصلہ کرلیا تو وہ ناراض ہو جائے گا اور اب اقامتِ دین کے لیے جدوجہد میں رکاوٹ آجائے گی۔ یہ جدوجہد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگر خلوص اور دیانت داری کے ساتھ درست فیصلہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اِس فیصلہ کے مفید اثرات ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو پسند فرماتا ہے جو اپنے معاملات کو اُس کے حوالے کر کے اُسی پر توکل کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ منتخب نصاب کے اِن دروس میں جو بھی خیر کی بات تحریر میں آئی ہے اُس پر اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں خلوص کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک اپنے دین کی خدمت کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین!

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظيم ونفعنی وایاكم بالایات والذكر الحكيم